

نقشِ پیغمبرؐ

سماجی انصاف

محمد صفیر حسن معضونی

سماجی انصاف مسلم معاشرے کا طرہٴ امتیاز رہا ہے۔ تاریخی واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ہر زمانے میں اسلام کے فرزندوں نے سماجی انصاف کا بول بالا کیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سماجی انصاف اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ پروردگار کے آگے سر جھکا دینا، حق کے آگے چون و چرا نہ کرنا۔ مسلمان وہ ہے جو اپنے حقوق کو دوسروں کے اٹھے قربان کر دے، جس کی زبان، ہاتھ یا دل سے کسی دوسرے شخص کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ و سلم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تاکہ دنیا میں سماجی انصاف قائم ہو، کوئی شخص کسی شخص پر ظلم نہ ڈھائے، زور آور کمزور کو آنکھیں نہ دکھائے، سالدار مفلس کو ذلیل نہ سمجھے۔ طاقت اور مال و دولت کی میزان پر انصاف کو تولا نہیں جاسکتا۔ آج کی طرح اس دور کی دنیا میں بھی طاقت و دولت کی بنیاد پر طبقات قائم تھے۔ عرب میں علم و تہذیب نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ بد نظمی تھی۔ قبائلی جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ لوگ طاقت کے ظاہرے سے باز نہ آتے تھے۔ بس چلتا تو اکے دے مسافروں کو ہکڑ کر دوسرے قبائل کے ہاتھوں بیچ دیتے تھے۔ لوٹ مار کا خطرہ برابر رہتا تھا۔ یہود و نصاریٰ بھی سر زمینِ عرب میں بستے تھے۔ مگر علم و ثقافت کے دعویدار ہونے کے باوجود سماجی خیر و بهبود کے قوانین کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے عربوں کے اخلاق و عادات پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ تاریخی شہادتیں بتاتی ہیں کہ مدینہ منورہ، طائف، تہران

اور خیر وغیرہ میں بڑی تعداد میں یہود و نصاریٰ بستے تھے۔ علم و دولت کے ذریعہ آس پاس کے عرب قبائل پر حاوی تھے، ان سے کام لیتے اور معاوضہ بہت کم دیتے یا بالکل نہ دیتے۔ عرب سرداروں میں بھی یہ برائیاں آگئی تھیں۔ سرزمین عرب سے باہر شام و مصر میں بازنطینی نصرائیوں کی حکومت تھی اور شرق و شمال کی جانب ایرانیوں کی سلطنت تھی جو آتش پرست تھے۔ عرب کے جنوب میں یمن اور حضرموت کے علاقوں پر اکثر ایرانیوں یا حبشہ کے عیسائی حکمرانوں کا قبضہ رہتا تھا۔ ان کے قلمرو علاقوں میں بھی امن و امان، آزادی و حریت، اور سماجی انصاف و عدل واجبی حد تک ہی نظر آتے تھے۔ ایسے ہر آشوب زمانے میں پیغمبر اسلام رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔ سیکڑوں بتوں کی عبادت کی جگہ ایک اللہ رب العالمین کی عبادت کی تلقین کی۔ اللہ تعالیٰ کا کلام قرآن پاک پڑھکر سنایا، اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کے طریقے بتائے۔ قریش اور مکہ کے لوگوں کو اپنی صداقت و اسانت کا واسطہ دے کر اپنی رسالت کا یقین دلایا۔ وہ لوگ جنہیں دولت و ثروت اور طاقت کا نشہ تھا، آپؐ سے برگشتہ ہو گئے، غریب، مفلوک الحال، غلام اور کمزور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے، اور آپؐ کی تعلیم کے مطابق آپس میں مساوات، اخوت، اخلاص و محبت، عدل و انصاف اور ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ کرنے لگے۔ کچھ مالدار شخصیتیں جو ایمان کے نور سے چمکیں انہوں نے بھاری قیمتیں ادا کر کے اپنے غلام مسلمان بھائیوں کو خرید کر آزاد کیا۔ حسن سلوک، محبت و خلوص کا بدلہ اسلام کے فرزندوں کو دشمنی و عداوت سے ملا، اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قریشیوں نے توحید کے پروانوں کا جینا حرام کر دیا۔ خود پیغمبر اسلامؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچانے لگے۔ مجبوراً مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب کی جانب ہجرت کر نی پڑی اور اس شہر کا نام آپکی تشریف آوری کے بعد مدینہ الرسول پڑ گیا۔

’مدینہ پہنچ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنے میں بڑی سہولت ہو گئی۔ اور امن و امان کے ساتھ مدینہ منورہ کے مختلف قسم کے باشندوں کو جن میں یہود، نصاریٰ، اور اوس و خزرج کے وہ سارے افراد بھی تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، ان سب کو آپؐ نے ایک معاہدہ کے ذریعے متحد کر دیا، اور یہ لوگ ایک عرصے تک اس معاہدے کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے کے مدد و معاون بنے رہے اور صلح و آشتی کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ البتہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ان کی خوشحالی کو یہود و نصاریٰ نہ دیکھ سکے، اور وقتاً فوقتاً فرزندان اسلام کے خلاف بدعہدی اور بغاوت کا مظاہرہ کرتے رہے اور آخر کار غدر و بے وفائی کے نتیجے میں مدینہ منورہ سے نکالے گئے۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد عرب قبائل کے اخلاق و عادات میں نمایاں فرق رونما ہوا۔ وہ لوٹ مار، قتل و غارت، فحاشی اور دوسری برائیوں سے تائب ہو کر باہمی تعاون، حسن سلوک اور اخلاق فاضلہ کے خوگر ہو گئے۔ امانت و دیانت، صلح و آشتی، مودت و اخوت، عدل و انصاف جیسی صفات کے حامل بن گئے۔ مساجرین و انصار ایک دوسرے کے بھائی بن چکے تھے اور ایک دوسرے کے حقوق و عزت کے نگہبان سمجھے جاتے تھے۔

اسلام نے اولین بار ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو صراطِ مستقیم اور راہِ اعتدال پر گامزن رہا۔ اس معاشرے کا ہر فرد نیکی کا گرویدہ اور بدی سے دور بھاگنے والا تھا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیک کام کا حکم دینا اور برے سے روکنا) کو اپنا فرض منصبی بنا کر اسلامی معاشرہ ”ابتد وسط“ کے لقب کا مستحق ہوا۔ دنیا میں عدل اسی طرح قائم ہو سکتا ہے کہ برائی کو روک دیا جائے اور نیکی کو رائج کیا جائے۔ اسی طرح دنیا کے نظم میں اعتدال پیدا ہو سکتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں افراط و تفریط سے بچنا یعنی کسی شے کا نہ زیادہ ہونا اور نہ کم ہونا۔ یہ درجہ مقام

وسطِ نظیر دستانوں سے۔۔ دنیا میں جو برائیاں ہیں وہ غور کیجئے۔ تو وہ غلطاں و تقصیلات کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح کسی چیز کو ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اور ہر شے کا اپنی ساد سے تجاوز کرنا اسراف ہے۔ اور اس سے بڑھ کر گناہ کی کیا تعریف ہو سکتی ہے کہ وہ کوتوں اور خواہشوں کے خرچ میں اعتدال سے کام نہ لینے کا نام ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا لفظ ”تبذیر“ ہے، یعنی کسی چیز کو اس کے مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا، مثلاً دولت فرد کے ضروری آرام و آسائش، عزیز و اقارب کی اعانت، اور اعمالِ حسنہ میں خرچ کرنے کے لئے ہے۔ اگر اسے محض نمود و نمائش، دنیوی عزت اور حکام کی نظروں میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے لٹانا شروع کر دیں، تو قرآن پاک سے اسے ”تبذیر“ سے تعبیر کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کا قصصِ اسراف سے زیادہ ہے، اس لئے وعید بھی سخت وارد ہوئی۔ مسرف کے لئے تو صرف ”لن الله لا يحب المرفین“ (خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) فرمایا۔ اور تبذیر کے مرتکبین کو ”کانوا اخوان الشیاطین“ کہہ کر شیطان کے اخوان و اقارب میں شمار کیا گیا۔ دونوں لفظوں کا فرق قرآن پاک کی آیتوں سے واضح ہو جاتا ہے۔ یعنی ”کلوا و اشربوا ولا تسرفوا۔ انه لا يحب المرفین“، کھاؤ، پیو، لیکن اسراف نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

بھوک اور پیاس میں غذا اور پانی کا صرف بالکل صحیح کام ہے، اور اشیاء کا بے موقع خرچ کرنا نہیں ہے۔ غذا کھانے ہی کے لئے ہے، اور پانی پینے ہی کے لئے ہے، لیکن اگر حدِ خواہش اور ضرورت سے زیادہ کھایا جائے، یا ان کی تیاری اور اکل و شرب پر بے جا رویہ صرف کیا جائے تو یہ اسراف ہوگا، اور اعتدال سے دور، اسی لئے حکم ہوا کہ اسراف مت کرو۔ ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ”وات ذا القربیٰ حقہ و المسکین و ابن السبیل ولا تبذر تبذیرا“، اور اقارب کا حق ان کو دو، نیز مسکین اور مساکر کے حقوق ادا کرو، اور دولت کو ضایع مت کرو۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ دولت کا صحیح مصرف ہے۔

۴۴

اعجازِ قرآن کے حقیقی دلیل کرنا، پہلجٹ منڈلیہ اور مسافروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا۔ یہی دھوکے کھانوں میں بھی موقع، خرچ، کوٹا، جلیجی، انصاف کے خلاصہ مضبوط اور سبق فراہم کرنے کا۔

ایک دفعہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے کچھ قرض لیا، اور اس کو ایک معین وقت پر ادائیگی کے لئے بلایا۔ اتفاق یہ ہوا کہ نعیاد ہوئی ہوئے پر جب وہ اعرابی آپ سے پاس آیا اور اپنے قرض کی ادائیگی کا تقاضا کیا تو آپ سے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے مزید مہلت چاہی اور فرمایا کہ کچھ دنوں کے بعد آئے۔ اعرابی کو آپ پر طیش آگیا اور بے ادبی کی باتیں کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور چاہتے تھے کہ اس کو زیادتی کا مزہ چکھائیں کہ خود پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھکر حضرت عمرؓ کو روکا۔ اور کہا کہ میں مقروض ہوں اور اس کا حق مجھ پر ہے اس لئے صبر و تحمل کی ضرورت ہے۔ آخر آپ نے ایک دوسرے صحابی سے لے کر قرض ادا کیا۔ اعرابی پر آپ کے انصاف اور صبر و تحمل کا بڑا اثر ہوا اور وہ ایمان لے آیا۔

غزوہ خندق میں جب مدینہ کے ایک جانب کھائی کھودنے کا فیصلہ ہوا تو صحابہ کرامؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خندق کھودنے اور مٹی ہٹانے میں برابر کے شریک تھے۔ شب و روز سب کے ساتھ اس کام میں مصروف رہے۔ مدینے کے ارد گرد قریش کے ناگہانی حملہ کے خوف سے باری باری پہرہ دینے کا کام آپ بھی انجام دیتے تھے۔ ایک شب کو جب کفار کے حملہ کی افواہ گرم ہوئی تو آپ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور تک دشمنوں کے کھوج میں نکل گئے۔ پھر واپس آ کر سب کو تسلی دی اور اپنے اپنے گھروں میں آرام سے سونے کا حکم دیا۔

لیکن یہ خرچ کی رقمیں اور اشیاء لوگوں میں آپ سے پہلے تقسیم

کر رہتے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اپنے لئے کچھ نہ پہنچنے، پہنچنے
ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات تین تین روز
تک گھر میں آگ نہ جلتی، اور آل نبیؐ ایکہ یا نصف کھجور کھا کر روزہ
انظار کر لیتے۔ غرض اپنے اہل و عیال سے زیادہ اپنی است کی آسائش و سہولت
کا آپؐ کو خیال رہتا تھا۔

فتح مکہ کے دن قریش کے ظالم سردار آپؐ کے سامنے سرنگوں کھڑے تھے،
آپؐ چاہتے تو ان کے ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے، مگر آپؐ تو سراپا رحمت
اور عدل و انصاف تھے۔ آپؐ نے سب کو معاف کر دیا۔ آپؐ کے حسن سلوک
سے سب مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سماجی انصاف اور
عدل کا خیال مسلمانوں کو اتنا تھا کہ وہ کبھی ظلم کا بدلہ بیجا طور پر نہ
لیتے۔ اور سزا دینے میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھتے۔

اسلام سارے عالم کے ارباب دانش کو بیانگ دھل دعوت دیتا ہے کہ آؤ
سب مل کر اس ایک بات پر اتفاق کر لیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی
پرستش نہ کریں، اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور نہ اپنے میں سے
کسی کو کسی پر ماسوائے اللہ فوقیت دیں اور نہ اس کے سوا کسی کو آقا اور
داتا سمجھیں۔ اگر یہ اہل کتاب (ارباب دانش) اس بات کا عہد نہ کریں تو
کہدو کہ تم سب گواہ رہو ہم خود کو اللہ تعالیٰ کے سہرہ کرتے ہیں؛
”قل یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواہ بیننا و بینکم ألا نعبد الا اللہ،
ولا ندرک بہ شیتا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ، فان تولوا فقولوا
اشهدوا بانا مسلمون“ (آل عمران: ۶۴) اس آیت پاک کی واضح تعلیم ہے کہ
اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اور اس کے سارے بندے، جس ملک و ملت، اور جس
دین و عقیدے کے بھی ہوں، اس کے لئے برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ
کسی پر اپنی فضیلت جتانے، اور نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے
سوا کسی کو حاجت روا سمجھے۔ یہ بات شرک کے قریب ہے کہ کوئی یہ

خیال کرنے کہ غلام بزرگ کی قبر پر حاضری دینے کی وجہ سے میری یہ حاجت یا آرزو پوری ہوئی، حاجت روا اور آرزو پوری کرنے والا اللہ اور صرف اللہ ہے۔ اپنی بد اعمالیوں یا ناقص اعمال کی وجہ سے کسی کی دعا قبول ہوتی نہیں دکھائی دیتی تو وہ کسی بزرگ کی زیارت کے بعد ان کی سفارش کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے۔ اسلام نے برے اعمال سے بچنے رہنے کی تلقین اسی لئے کی ہے کہ اللہ کے بندے سب آپس میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں، اور نہ کسی کو اپنے سے نیچا سمجھنا چاہئے، پس سب کو برابر حقوق حاصل ہیں۔ البتہ ہر ہر فرد اپنے اپنے نیک اعمال کی وساطت سے مختلف مدارج و مراتب پر فائز ہوتا ہے۔ اس لئے اساسی اصول عدل و انصاف، حقوق و واجبات سارے انسانی افراد کے لئے برابر ہیں ان میں اگر ذرہ برابر بھی کمی یا بیشی کی جائے گی تو ظلم و عدوان ہوگا۔ رنگ، روپ، مذہب اور عقیدے کا فرق نہ کیا جائے گا۔ اسلامی سماج دنیا کی تاریخ میں اولین مثال ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں ہر کیش و ملت کے لوگ صلح و آشتی، اور امن و امان کے ساتھ بستے تھے، اور سب کو مساویانہ شہری حقوق حاصل تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر فرد کے لئے آذوقہ مقرر کیا تو غیر مسلم فقیر و محتاج کو دست سوال بڑھانے کے لئے نہیں چھوڑا، ان کے لئے بھی روزیئے مقرر کر دیئے۔

معاملات اور تجارتی لین دین میں کمی بیشی کرنے سے اسلام نے سختی سے منع کر دیا۔ قیمتوں پر کنٹرول کرنے کے لئے اشیاء کو بازار سے ناپید کر دینا سخت گناہ قرار پایا۔ گرائی بڑھانے کے لئے چیزوں کو خریدنا فساد برپا کرنے کے مترادف بتایا گیا۔ چور بازاری، چوری چھپے اشیاء کی نقل و حرکت کو بھی فساد کہا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قد جاء تکم ینة من ربکم، فافوا الکیل و المیزان ولا تبخسوا الناس اشیاء ہم، ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها ذلکم خیر لکم ان کتمت مؤمنین“ (الاعراف: ۸۵) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف

سے نکال آجکی ہے تو تم ٹاپ اور تولہ پوری کیا کرو۔ اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ پیدا کرو، اگر تم صاحب ایمان ہو تو سب سے بڑا یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔

”یا قوم اولوا الکیل و المیزان بالتوسط ولا تبخسوا الناس اشیاء هم ولا تعثوا فی الارض مفسدین“ (ہود: ۸۵) اور اے قوم! ٹاپ اور تولہ انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور زمین میں خرابی کرنے نہ پھرو۔ زمین میں خرابی کرنا فساد برپا کرنا نہایت عام حکم ہے، اس کا مطلب صرف نقص امن نہیں، ملکی قوانین، دینی اور اخلاقی نیز معاشرتی اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی فساد رونما ہوتا ہے۔ دوسروں کے حقوق غصب کرنا، کسی کے ساتھ زبردستی کرنا، کسی کو دھوکا دینا، دنیاوی کاروبار میں تعطل پیدا کرنا، اپنے ذاتی مفاد کے لئے دوسروں کی سہولتوں کو برباد کرنا، پہلے کاموں میں تعاون نہ کرنا، اور برے کاموں کے لئے وزعلانا سب خرابی و فساد کے نتائج ہیں۔

اسلام نے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے وہ اسی سماجی انصاف کے پیش نظر مشروع ہے۔ غیر اسلامی ثقافت کے غلبے کے باعث آج کے مہذب سماج میں البتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوشش کرنے والوں سے کہا جاتا ہے ”دوسروں کے امور میں مداخلت نہ کرو، اور اپنی راہ لو،“ آج سے سالہا سال پہلے کے لوگ جو اسلامی تعلیمات سے زیادہ لکاؤ رکھتے تھے ایسا کہنے والوں کو برا سمجھتے تھے، کیونکہ ایسا کہنا اسلامی حکم کے خلاف ہے۔ دو جھگڑنے والے گروہوں میں صلح کرانا مسلمانوں کی شان ہے اور قرآن کا فرمان۔

سماجی انصاف کے پیش نظر اسلام نے جہاد کا حکم دیا ہے اور یہ جہاد کوشش کرنے کی تلقین کی ہے، غروں اور اولیٰ میں مسلمانوں کا فریضہ تھا اپنے ملک

وطن اور ہم غم کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش میں لگے رہنا ، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایک طرف سترہ سالہ سپہ سالار محمد بن قاسم سندھ کو فتح کرتا ہے اور مسلمان قیدی عورتوں کو دشمنوں کے چنگل سے چھڑاتا ہے۔ دوسری جانب موسیٰ بن نصیر سترہ سال کی عمر ہو جانے پر بھی بحر اطلانتک کے کنارے ہانی میں گھوڑے ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے : اے آسمان اور اے بحر بیکران ! اگر اس سے پرے بھی کوئی خطہ زمین میرے علم میں ہوتا تو اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے وہاں بھی پہنچنے کی کوشش کرتا ، اور آگے بڑھنے سے باز نہ آتا ۔

غرض اسلام کے نام لہوا اپنے آخری وقت تک کوشش میں لگے رہتے ہیں ، کبھی جدوجہد اور عمل خیر سے دست بردار یا ریٹائرڈ نہیں ہوتے ۔

بقیہ نظرات

یوم اقبال ہر سال کی طرح اس سال بھی آیا اور گذر گیا۔ مگر اس سرتبہ ہر اس شخص کے تاثرات بہت مختلف ہوں گے جس کے سینے میں درد مند دل ہے ، اس لئے کہ اب کے جن حالات میں یہ یادگار دن آیا وہ بھی بہت مختلف ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کے ساتھ اقبال کا نام بطور علامت کے استعمال ہوتا رہا ہے۔ آج سے ۲۴ سال پیشتر بھی یوم اقبال آیا تھا جب اقبال کے حسین خواب کا عکس جمیل مملکت خدا داد پاکستان کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا۔ یہ بین تفاوت وہ از کجا است تاہ کجا۔ ۲۴ سال پہلے کے یوم اقبال اور ۷۷ء کے یوم اقبال میں کتنا فرق ہے۔ اقبال نے ملت اسلامیہ کی وحدت کا خواب دیکھا تھا :-

ایک ہوں مسلم حرم کی ہاسبانی کے لئے نل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شجر

پوری دنیا نے اسلام نہ سہی بر صغیر کے مسلمانوں نے متحد ہو کر ایک ایسی رہاست قائم کی جو اس خواب کی تعبیر تھی مگر وائے افسوس کہ وہ تعبیر ادھوری ہو گئی، ایک ملک کے مسلمان یکجا نہ ہو سکے۔ پاکستان کا ایک حصہ اس سے الگ ہو گیا !